

تفسیر کبیر میں اشاری و باطنی تفسیر کا منہج: صوفیانہ رجحانات کے تناظر میں ایک تجرباتی مطالعہ

Methodology of Ishārī and Bāṭinī Interpretation in Tafsīr al-Kabīr: An Analytical Study in the Context of Sufi Tendencies

1. Muhammad Kashif

M.Phil Scholar, Department of Islamic Studies, Green International University, Lahore, Pakistan.

Email: kashif7738450@gmail.com

2. Dr. Hafiz Falak Shair Faizi

Assistant Professor, Department of Islamic Thought and Civilization, University of Management and Technology, Sialkot Campus, Pakistan.

Email: falak.shair@skt.umt.edu.pk

Abstract

This study examines the methodology of Ishārī (allusive) and Bāṭinī (esoteric) interpretation in Tafsīr al-Kabīr (Mafātīḥ al-Ghayb) of Imam Fakhr al-Dīn al-Rāzī, with particular emphasis on its Sufi tendencies. Although Imam al-Rāzī is primarily recognized as a theologian, philosopher, and rational exegete, his Qur'ānic exegesis also incorporates profound spiritual insights that reflect a balanced engagement with Sufi thought. The article explores how al-Rāzī harmonizes the outward (ẓāhir) meanings of the Qur'ān with inward (bāṭin) dimensions while maintaining strict adherence to the Qur'ān, Sunnah, and orthodox theological principles. It analyzes his treatment of concepts such as divine knowledge (ma'rifah), purification of the soul (tazkiyat al-nafs), divine love (maḥabbat Allāh), and spiritual states (aḥwāl al-qalb), demonstrating that these concepts are presented as complementary rather than alternative interpretations of the Qur'ānic text. The study further argues that al-Rāzī neither rejects Sufi interpretations altogether nor accepts unrestricted esoteric exegesis; instead, he adopts a critical and moderate methodology that evaluates mystical interpretations through the criteria of revelation, reason, and established Islamic doctrine. Employing qualitative and analytical methods, this research concludes that Tafsīr al-Kabīr represents a unique synthesis of rational inquiry, theological discourse, and spiritual reflection, making it one of the most comprehensive models of balanced Qur'ānic interpretation in the classical Islamic tradition.

Keywords: Tafsīr al-Kabīr, Fakhr al-Dīn al-Rāzī, Ishārī Tafsīr, Bāṭinī Interpretation, Sufism, Qur'ānic Exegesis.

تفسیر کبیر کے مصنف امام فخر الدین رازی بنیادی طور پر ایک متکلم، فلسفی اور مفسر تھے، تاہم ان کی تفسیر میں واضح طور پر صوفیانہ رجحانات بھی پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ خالص صوفی مفسر نہیں تھے جیسے امام قشیری یا ابن عربی، لیکن انہوں نے کئی مقامات پر آیات قرآنی کی باطنی اور روحانی تعبیرات کو بھی جگہ دی ہے، جو ان کے فکری توازن کو ظاہر کرتی ہیں۔ تفسیر کبیر میں صوفیانہ رجحان کا ایک اہم پہلو "ظاہری و باطنی معنی" کا امتزاج ہے۔ امام رازی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے پہلے لغوی، نحوی اور عقلی بحث کرتے ہیں، اس کے بعد بعض مواقع پر اہل تصوف کی آراء کو نقل کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر آیت نور کی تفسیر میں وہ نور الہی کو محض مادی روشنی کے بجائے قلبی ہدایت اور عرفان سے تعبیر کرتے ہیں، جو صوفیانہ فکر کا خاصہ ہے۔ مزید یہ کہ امام رازی نے "تزکیہ نفس" اور "معرفت الہی" جیسے موضوعات پر بھی صوفیانہ انداز اختیار کیا ہے۔ وہ انسانی نفس کے مراتب اور روحانی ترقی کے مراحل پر گفتگو کرتے ہوئے صوفیہ کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں۔ مثلاً سورۃ الشمس کی تفسیر میں نفس کی پاکیزگی کو کامیابی کی بنیاد قرار دیتے ہوئے وہ اس کو سلوک و احسان کے تناظر میں بیان کرتے ہیں۔ تاہم یہ بھی قابل ذکر ہے کہ امام رازی صوفیانہ تعبیرات کو بغیر تنقید کے قبول نہیں کرتے۔ وہ اکثر اوقات صوفیہ کی آراء کو "اشارات" کے درجے میں رکھتے ہیں نہ کہ قطعی تفسیر کے طور پر۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شریعت اور عقل کو بنیادی حیثیت دیتے ہیں اور تصوف کو ایک تکمیلی جہت کے طور پر قبول کرتے ہیں۔ یہی اعتدال انہیں دوسرے صوفی مفسرین سے ممتاز کرتا ہے۔



تفسیر کبیر کے مصنف امام فخر الدین رازی کی تفسیر اپنے عقلی، فلسفیانہ اور کلامی اسلوب کے لیے مشہور ہے، لیکن اس میں صوفیانہ رجحانات بھی ایک اہم ضمنی جہت کے طور پر موجود ہیں۔ یہ رجحانات نہ صرف آیات کی باطنی تعبیر میں ظاہر ہوتے ہیں بلکہ انسان، کائنات اور خدا کے تعلق کو روحانی زاویے سے سمجھنے کی کوشش میں بھی نمایاں ہیں۔

1- ظاہری اور باطنی تفسیر کا استخراج

امام فخر الدین رازی (544ھ-606ھ) کی تفسیر "مفتاح الغیب" (المعروف تفسیر کبیر) میں ظاہری اور باطنی تفسیر کا استخراج ایک منفرد علمی اسلوب کی صورت میں نظر آتا ہے، جس نے ان کی تفسیر کو ہم عصر اور مابعد کی دیگر تفاسیر سے ممتاز کیا ہے۔ امام رازی نے اپنی تفسیر میں ایک طرف روایتی علوم (نقل) اور ظاہری معانی کی مکمل پاسداری کی ہے، تو دوسری طرف عقلی و فلسفی مباحث کو بھی وسیع پیمانے پر شامل کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تفسیر کو "علم عقل" کے حوالے سے لاثانی حیثیت حاصل ہے۔ اس استخراج کی ایک اور اہم جہت یہ ہے کہ امام رازی نے تصوف کی روحانیت (Sufism) کو بھی اپنی تفسیر میں جگہ دی ہے۔ یہ درحقیقت ان کے علمی سفر کا منطقی انجام تھا، کیونکہ روایات کے مطابق انہوں نے اپنے آخری ایام میں تصوف کی طرف خاص رغبت دکھائی، حالانکہ یہ ان کی فکر کا مرکزی حصہ نہیں بنا۔ تفسیر کبیر کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ محض قرآنی علوم و معانی کا ہی مجموعہ نہیں، بلکہ اس میں عربی لسانیات، تقابلی فقہ، ارسطوی اور اسلامی فلسفہ، علم کلام اور تصوف کی روحانیت سب کا احاطہ کیا گیا ہے۔ امام رازی کا یہ منہج دراصل ان کی اس فکری کاوش کا مظہر ہے جس میں انہوں نے اپنے دور کے متضاد فکری رجحانات کو ایک جامع اور متوازن نظام میں ڈھالنے کی سعی کی۔ خاص بات یہ ہے کہ انہوں نے روایت اور عقل کے درمیان تطبیق کے ساتھ ساتھ باطنی اور عرفانی پہلوؤں کو بھی اپنی تفسیر کا حصہ بنایا، جس سے ان کی تفسیر ایک جامع اور ہمہ گیر علمی شاہکار بن گئی۔ امام رازی کی تفسیر کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ آیات کے ظاہری (لغوی، نحوی، فقہی) معانی بیان کرنے کے بعد باطنی اور اشاری معانی کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل صوفی مفسرین جیسے امام قشیری کی یاد دلاتا ہے، لیکن رازی اس کو محدود اور محتاط انداز میں پیش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر آیت نور میں "نور" کو وہ صرف روشنی نہیں بلکہ "نور ہدایت" اور "انکشاف حقیقت" سے تعبیر کرتے ہیں، جو صوفیانہ فکر کا بنیادی تصور ہے۔

مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **ناھدنا الصراط المستقیم** "امام رازی لکھتے ہیں:

الصراط المستقیم هو طریق أهل المعرفة والمحبة¹ صراط مستقیم اہل معرفت اور محبت الہی کا راستہ ہے۔

2- معرفت الہی اور عرفان کا تصور

امام رازی کے نزدیک حقیقی علم صرف ظاہری علم نہیں بلکہ "معرفت" ہے، جو دل کی کیفیت سے وابستہ ہے۔ یہ تصور صوفیہ جیسے ابن عربی کے نظریہ عرفان سے ہم آہنگ دکھائی دیتا ہے۔ وہ بارہا اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اللہ کی پہچان صرف دل کی صفائی اور روحانی مجاہدے کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، نہ کہ صرف عقلی دلائل سے۔ معرفت الہی تصوف کا اعلیٰ ترین مقام اور روحانی سلوک کی انتہائی منزل ہے، جسے صوفیاء نے "علم الیقین" سے ماورا "عین الیقین" کا درجہ دیا ہے۔ معرفت دراصل اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا وہ قلبی اور ذوقی علم ہے جو محض استدلال اور فکری مشق سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ یہ ایک ایسی الہی عطیہ ہے جو سالک کے قلب پر اس وقت نازل ہوتی ہے جب وہ اپنے نفس کو مکمل طور پر پاک کر لیتا ہے اور اپنی ہستی کو اللہ کی ہستی میں فنا کر دیتا ہے۔ معرفت کو "تجرباتی علم" یا "عرفانی بصیرت" سے تعبیر کیا گیا ہے، جس میں سالک اشیاء کی حقیقت کو ان کی اصل صورت میں دیکھنے اور پہچاننے کی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے۔ عرفان، جو معرفت کا فارسی متبادل ہے، تصوف کی وہ شاخ ہے جو فلسفیانہ مبانی پر استوار ہو کر عقل اور روحانی تجربے کے درمیان تطبیق پیدا کرتی ہے۔ امام رازی کے مطابق عرفان کی دو قسمیں ہیں: عرفان نظری (علمی عرفان) جو حقیقت باطن کو عقلی دلائل کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، اور عرفان عملی (عملی عرفان) جو ریاضتوں، مجاہدوں اور سلوک کے ذریعے قلبی کیفیات اور مقامات طے کرنے کا نام ہے۔ عرفان کا سفر "معرفت علمیہ" سے شروع ہو کر شریعت، طریقت اور حقیقت کی منازل طے کرتا ہوا "معرفت حقیقی" تک پہنچتا ہے۔ معرفت اور عرفان کا مرکزی تصور یہ ہے کہ اللہ کی پہچان محض معلومات کے ذخیرے کا نام نہیں بلکہ یہ ایک وجودی کیفیت ہے جہاں عارف (معرفت حاصل کرنے والا) اپنی ذات سے بے خود ہو کر اپنے محبوب میں اس طرح غرق ہو جاتا ہے کہ اسے اپنے وجود کا ہوش نہیں رہتا۔ جنید بغدادی نے معرفت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: "یہ قلب کی وہ کیفیت ہے جو اللہ کی عظمت اور اس کے ادراک سے عاجزی کے درمیان معلق رہتی ہے، اور اس حقیقت کو جاننا ہے کہ تیرے دل میں جو کچھ بھی آسکتا ہے، اللہ اس کے

¹ الرازی، محمد بن عمر بن الحسن، فخر الدین (ت 606ھ)، مفتاح الغیب، تحقیق: محمد محیی الدین عبد الحمید، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ط 1420ھ-1999م، ج 1، ص 190۔

برعکس ہے۔" عرفان کے حصول کے لیے صوفیاء نے تین بنیادی راستے بیان کیے ہیں: پہلا، ریاضت (نفس کو زیر کرنا اور اللہ کی ہر مشیت کو خوش دلی سے قبول کرنا)؛ دوسرا، تفکر (اللہ کی عظمت اور قدرت پر غور و فکر کرنا)؛ تیسرا، تزکیہ نفس (تحلیہ یعنی برائیوں سے پاک کی اور تحلیہ یعنی خوبیوں سے آراستگی)۔ یہ تمام راستے آخر کار اسی ایک نقطہ پر منبج ہوتے ہیں کہ سالک اپنے قلب کے آئینے کو ہر اس چیز سے صاف کر دے جو اللہ کے سوا ہے، تاکہ اس میں توحید کی تجلیات جلوہ گر ہو سکیں۔ عرفان کی اصطلاح میں اس سفر کو "میر و سلوک" کہا جاتا ہے، جس کے مختلف مقامات ہیں: مقام نفس، مقام قلب، مقام روح، مقام سر، مقام خفی اور مقام اخفی۔ یہ مقامات طے کرنے کے بعد ہی سالک اس منزل پر پہنچتا ہے جہاں معرفت حقیقی اس پر کھلتی ہے اور وہ "عارف باللہ" کہلانے کا مستحق بنتا ہے۔

اللہ رب العزت کا فرمان:

"والذین آمنوا أشد حبا لله" سورة البقرہ کی آیت نمبر 165 اس کے تحت امام رازی لکھتے ہیں۔

امام رازی کا قول ہے:، کمال ایمان لا يحصل إلا عند استغراق القلب في محبة الله "یہ تصور صوفیاء کے عشق حقیقی کے نظریے سے مطابقت رکھتا ہے۔

3- تزکیہ نفس اور روحانی ارتقاء

تفسیر کبیر میں "نفس" کے مرادب اور اس کی اصلاح پر تفصیلی بحث ملتی ہے۔ امام رازی سورة الشمس کی آیات (قد أفلح من زكاه) کی تفسیر میں نفس کی پاکیزگی کو کامیابی کی شرط قرار دیتے ہیں۔ وہ صوفیانہ طریق سلوک (مجاہدہ، ریاضت، ذکر) کو نفس کی اصلاح کے ذرائع کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ تزکیہ نفس تصوف کا وہ بنیادی تصور ہے جس سے مراد نفس کی اصلاح، تطہیر اور اسے روحانی ارتقاء کی منازل سے گزار کر اعلیٰ درجات تک پہنچانا ہے۔ لفظ "تزکیہ" کے لغوی معنی کسی پودے کو اس طرح تراشنا اور کاٹنا ہے جو اس کی نشوونما کے لیے نقصان دہ ہو، اور جب یہ تصور انسانی شخصیت پر منطبق کیا جائے تو اس کا مفہوم نفس کو ہر اس برائی اور روحانی بیماری سے پاک کرنا ہے جو اللہ کے قرب میں رکاوٹ بنتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: "قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا" (بیشک وہ فلاح پا گیا جس نے اس (نفس) کو پاک کیا، اور وہ ناکام ہو گیا جس نے اس کو خاک آلود کیا۔ تزکیہ نفس کے عمل کا آغاز نفس کی پہلی منزل "نفس امارہ" سے ہوتا ہے، جو برائیوں کا حکم دیتا ہے اور نفسانی خواہشات کی طرف کھینچتا ہے۔ جب سالک اپنے نفس کے خلاف مجاہدہ کرتا ہے اور ریاضت و مراقبہ کے ذریعے اسے زیر کرنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ "نفس لوامہ" (ملا مت کرنے والا نفس) میں تبدیل ہو جاتا ہے، جہاں انسان اپنے گناہوں پر نادم ہوتا ہے اور توبہ و اصلاح کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اس منزل کے بعد سالک "نفس مطمئنہ" کے مقام پر فائز ہوتا ہے، جو اپنے رب سے راضی اور اس کی طرف راضی ہو کر لوٹنے والا نفس ہے۔ یہ تمام مراحل شریعت کی پابندی اور سنت نبوی کے اتباع کے دائرے میں انجام پاتے ہیں، کیونکہ تزکیہ نفس کا مقصد صرف نفس کی پاکیزگی نہیں بلکہ احسان کے اعلیٰ مقام تک پہنچنا ہے، جہاں بندہ اس طرح عبادت کرتا ہے گویا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ تزکیہ نفس کی یہ منازل طے کرنے کے بعد ہی سالک روحانی ارتقاء کی انتہا یعنی معرفت الہی اور قرب الہی کے مقام تک پہنچتا ہے، جہاں اس کا دل ہر طرح کی آلائش سے پاک ہو کر اللہ کی محبت اور اس کی تجلیات کا مرکز بن جاتا ہے۔

مثال کے طور پر سورة الشمس آیت نمبر 9 میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا" امام رازی لکھتے ہیں:

تزکیہ النفس تكون بإزالة الصفات المذمومة وإثبات الصفات الحمودة³

4- دنیا کی حقیقت اور زہد

امام رازی دنیا کی حقیقت کو فانی اور دھوکہ قرار دیتے ہیں، جو صوفیانہ زہد کے تصور سے مطابقت رکھتا ہے۔ وہ دنیاوی لذتوں کو عارضی اور آخرت کو اصل مقصد قرار دیتے ہیں، اور اس ضمن میں صوفیہ کے اقوال نقل کرتے ہیں تاکہ انسان کو باطنی اصلاح کی طرف راغب کیا جاسکے۔ دنیا کی حقیقت اور زہد (ترک دنیا) کا تعلق تصوف میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے، جہاں زہد کو روحانی سفر کی بنیاد اور پہلی منزل قرار دیا گیا ہے۔ زہد کے لغوی معنی کسی چیز سے بے رغبتی اور اسے حقیر سمجھنا ہے، لیکن تصوف میں اس کی حقیقت محض دنیاوی اشیاء کو چھوڑ دینے کا نام نہیں بلکہ دل کی وابستگی کو ختم کرنے کا نام ہے۔ زہد کی صحیح تعریف خود حضور نبی اکرم ﷺ نے ان الفاظ میں فرمائی: "زہد دنیا میں یہ نہیں ہے کہ تم حلال چیزوں کو حرام کر لو یا مال کو ضائع کر دو، بلکہ زہد دنیا میں یہ ہے کہ تمہارا اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ میں ہے اتنا بھروسہ نہ ہو جتنا اللہ کے

² - رازی، محمد بن عمر، مفتاح الغیب، ج 2، ص 165

³ - رازی، فخر الدین، مفتاح الغیب، ج 3، ص 148

ہاتھ کی چیز پر ہے، اور یہ کہ تم مصیبت کے ثواب کے اس قدر امید رکھو جیسے کہ وہ مصیبت تمہارے پاس باقی رکھی جائے تو تم اسے پسند کرو گے۔" اس حدیث پاک سے واضح ہوتا ہے کہ زہد دراصل اللہ پر بھروسے اور آخرت کی ترجیح کا نام ہے۔ زہد یہ نہیں کہ تم کسی چیز کے مالک نہ ہو، بلکہ زہد یہ ہے کہ کوئی چیز تمہاری مالک نہ بن جائے۔ یہی وہ حقیقت ہے جو دنیا کی اصل حیثیت کو سمجھنے میں راہنمائی کرتی ہے۔ دنیا کو اللہ تعالیٰ نے ایک ذریعہ بنایا ہے، مقصد نہیں۔ امام غزالی کے مطابق، قلب ایک آئینے کی مانند ہے جو دنیاوی خواہشات سے رنگ آلود ہو جاتا ہے، اور زہد اس رنگ کو صاف کرنے کا ذریعہ ہے۔ امام احمد بن حنبل نے زہد کی تین منزلیں بیان کی ہیں: اول، حرام سے بچنا جو عام لوگوں کا زہد ہے؛ دوم، حلال میں سے غیر ضروری چیزوں کو چھوڑ دینا جو خاص کا زہد ہے؛ سوم، ہر اس چیز سے بچنا جو اللہ کی یاد سے غافل کر دے جو عارفین کا زہد ہے۔ یہ تیسری منزل سب سے اعلیٰ ہے، جہاں سالک ہر اس چیز سے بے رغبتی اختیار کرتا ہے جو اسے اپنے محبوب حقیقی سے دور کر سکے۔ امام رازی دنیا کی محبت کو روحانی ترقی میں رکاوٹ قرار دیتے ہیں۔

مثال کے طور پر سورۃ الحدید آیت نمبر 20 میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

“اعلموا انما الحياة الدنيا لعب ولهو”

امام رازی نے لکھا ہے کہ: “الدنيا حجاب عن معرفة الله”⁴

یہ خالص صوفیانہ تصور ہے کہ دنیا اللہ کی معرفت سے غافل کرتی ہے۔

ابن عربی نے زہد کے تصور کو مزید گہرائی دے کر دو جہتوں میں بیان کیا ہے: ایک طرف دنیا سے بے رغبتی اور اسے ترک کرنا (جو اللہ کی تنزیہی صفت کی طرف اشارہ ہے)، اور دوسری طرف دنیا کو اللہ کی صفات کے مظہر کے طور پر قبول کرنا (جو اللہ کی تشبیہی صفت کی طرف اشارہ ہے)۔ ان کے نزدیک حقیقی زہاد وہ ہے جو دونوں پہلوؤں کو سمجھتا ہے اور دنیا کو نہ تو مکمل طور پر رد کرتا ہے اور نہ اس میں غرق ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید نے دنیا کی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: “اور یہ دنیا کی زندگی کھیل اور تماشے کے سوا کچھ نہیں، اور یقیناً آخرت کا گھر ہی حقیقی زندگی ہے، کاش وہ جانے۔” یہ آیت دنیا کی عارضی اور فانی حیثیت کو واضح کرتی ہے، جبکہ آخرت کو دائمی اور حقیقی زندگی قرار دیتی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے زہد کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ زہد یہ ہے کہ تمہارا یقین اللہ کے ہاتھ کی چیز پر ہے۔ زہد کی اصل حقیقت یہ ہے کہ بندہ دنیا کو استعمال کرے مگر دل اس کی محبت نکال دے، کیونکہ جیسا کہ امام علیؑ نے فرمایا: “دنیا نے جسے بلند کیا اسے ذلیل کیا، اور جسے مالدار بنایا اسے محتاج کر دیا۔” یہی وہ راز ہے جسے صوفیاء نے سمجھا اور اسی پر عمل کیا۔⁵

تفسیر کبیر میں اشاری و باطنی تفسیر کا منہج

تفسیر کبیر (مفتاح الغیب) میں امام فخر الدین رازی کا منہج تفسیر اپنی جامعیت کے باعث خاص اہمیت رکھتا ہے، جہاں وہ ظاہری (لفوی، نحوی، فقہی اور کلامی) معانی کو بنیاد بنا کر آیات قرآنیہ کی تشریح کرتے ہیں اور اس کے بعد مناسب مواقع پر اشاری و باطنی معانی کو بھی ذکر کرتے ہیں، مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ ظاہر شریعت کے مخالف نہ ہوں۔ امام رازی کے نزدیک اصل معیار ظاہر قرآن ہی ہے، اس لیے وہ پہلے آیت کے الفاظ، سیاق و سباق، اور عقلی و نقلی دلائل سے اس کا متعین مفہوم بیان کرتے ہیں، پھر اس کے بعد صوفیاء کے اقوال یا باطنی اشارات کو بطور تکمیل پیش کرتے ہیں، نہ کہ بطور اصل تفسیر۔ چنانچہ وہ سورۃ الفاتحہ کی آیت “اهدنا الصراط المستقیم” کی تفسیر میں صراط مستقیم کو ظاہری طور پر شریعت و دین حق قرار دیتے ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ “طریق اهل المعرفة والحق” ہے، جو سالکین کے روحانی سفر کی طرف اشارہ کرتا ہے اسی طرح سورۃ البقرہ کی آیت “والذين آمنوا أشد حبا لله” کے تحت وہ محبت الہی کو کمال ایمان کی شرط قرار دیتے ہوئے قلب کے استغراق فی المحبة کا ذکر کرتے ہیں، جو صوفیانہ ذوق کی عکاسی ہے۔ تاہم امام رازی ان اشاری معانی کو ہمیشہ ایک ثانوی درجے میں رکھتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ اگر کوئی باطنی تعبیر نصوص شرعیہ یا عقل سلیم کے خلاف ہو تو وہ قابل قبول نہیں۔ مزید یہ کہ وہ نفس کی تزکیہ، اخلاقی تطہیر، اور روحانی ترقی جیسے موضوعات پر گفتگو کرتے ہوئے صوفیانہ اصطلاحات کو استعمال کرتے ہیں، جیسا کہ “قد أفلح من زكاه” کی تفسیر میں انہوں نے تزکیہ کو زداکل کے ازالہ اور فضائل کے اثبات سے تعبیر کیا ہے۔ اسی طرح بعض مقامات پر وہ کشف والہام کے امکان کو بھی تسلیم کرتے ہیں، مگر اسے شریعت کے تابع رکھتے ہیں اور اسے مستقل حجت نہیں بناتے، اس طرح امام فخر الدین رازی کا منہج ایک معتدل

4۔۔ رازی، محمد بن عمر، مفتاح الغیب، ج 29، ص 230

5۔ الغزالی، أبو حامد محمد بن محمد الطوسی (ت 505ھ)، إحياء علوم الدين، تحقيق: مجموعة من المحققين، جدة: دار المنهاج، ط 1، 1432ھ- / 2011م، ج 3، ص 53۔

اور محتاط اشاری و باطنی تفسیر کی مثال پیش کرتا ہے، جس میں نہ صرف ظاہر و باطن کے درمیان توازن قائم رکھا گیا ہے بلکہ علمی، عقلی اور روحانی جہات کو ایک جامع فکری نظام میں یکجا کیا گیا ہے۔

۱۔ امام رازی پہلے ظاہری تفسیر (نعت، نحو، فقہ، کلام) کو بنیاد بناتے ہیں، پھر اشاری معنی ذکر کرتے ہیں۔ تفسیر کبیر (مفتاح الغیب) میں امام فخر الدین رازی کے منہج کی ایک واضح مثال سورۃ الفاتحہ کی آیت: "اهدنا الصراط المستقیم" کی تفسیر میں ملتی ہے۔ امام رازی پہلے اس آیت کا ظاہری مفہوم بیان کرتے ہیں، جہاں وہ "صراط مستقیم" کو لغوی، شرعی اور کلامی لحاظ سے دین حق، شریعت اسلام اور وہ راستہ جو جنت تک لے جائے قرار دیتے ہیں۔ وہ اس کی وضاحت میں دلائل دیتے ہیں کہ صراط مستقیم سے مراد وہ واضح اور سیدھا راستہ ہے جو انبیاء و صلحاء کا طریقہ ہے، اور اس کی تعیین قرآن و سنت کی روشنی میں ہوتی ہے۔ اس کے بعد وہ اسی آیت کے تحت ایک اشاری و باطنی معنی ذکر کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

"الصراط المستقیم هو طریق أهل المعرفة والمحبة"⁶

یعنی صراط مستقیم اہل معرفت اور محبت الہی کا راستہ ہے، جو بندے کو اللہ کے قرب تک پہنچاتا ہے۔ اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ امام رازی پہلے آیت کا ظاہری اور متعین مفہوم بیان کرتے ہیں، اور پھر اس کے بعد صوفیانہ ذوق کے مطابق ایک اشاری معنی بطور تکمیل ذکر کرتے ہیں، جس سے ان کے منہج میں ظاہر و باطن کے اعتدال کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔

۲۔ اشاری و باطنی تفسیر کو ثانوی حیثیت دیتے ہیں، اصل مراد ظاہر قرآن کو قرار دیتے ہیں۔ تفسیر کبیر (مفتاح الغیب) میں امام فخر الدین رازی کے اس اصول کی واضح مثال سورۃ الشمس کی آیت: "قد افلح من زكاه" کی تفسیر میں ملتی ہے۔ امام رازی پہلے اس آیت کا ظاہری مفہوم بیان کرتے ہیں کہ فلاح اسی شخص کے لیے ہے جو اپنے نفس کو گناہوں، نافرمانی اور اخلاقی رذیلہ سے پاک کرے اور شریعت کے مطابق اپنی اصلاح کرے۔ یعنی یہاں تزکیہ نفس کا مطلب شرعی احکام کی پابندی اور اخلاقی اصلاح ہے، جو قرآن کے ظاہر سے ثابت ہے۔ اس کے بعد وہ اس کے تحت ایک باطنی و اشاری معنی بھی ذکر کرتے ہیں کہ تزکیہ نفس سے مراد دل کو غیر اللہ سے خالی کرنا، اللہ کی محبت سے بھر دینا، اور روحانی کمال حاصل کرنا ہے۔ لیکن وہ اس باطنی معنی کو اصل مراد قرار نہیں دیتے بلکہ اسے ثانوی اور تکمیلی حیثیت دیتے ہیں۔ اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ امام رازی کے نزدیک: اصل تفسیر وہی ہے جو ظاہر قرآن اور شریعت سے ثابت ہو۔ جبکہ اشاری و باطنی تفسیر اضافی (supplementary) حیثیت رکھتی ہے، نہ کہ اصل مراد۔ اسی توازن کی وجہ سے ان کی تفسیر میں علمی مضبوطی اور روحانی گہرائی دونوں جمع ہو جاتی ہیں۔

۱۔ باطنی معانی کو صرف اسی صورت قبول کرتے ہیں جب وہ شریعت اور عقل کے خلاف نہ ہوں۔ تفسیر کبیر (مفتاح الغیب) میں امام فخر الدین رازی کے اس اصول کی واضح مثال سورۃ البقرہ کی آیت: "الله نور السماوات والأرض" کی تفسیر میں ملتی ہے۔ امام رازی پہلے اس آیت کا ظاہری مفہوم بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، یعنی وہی ان کا خالق، مدبر اور بادی ہے، اور "نور" سے مراد ہدایت اور ظاہری و معنوی روشنی ہے جو مخلوق کو راستہ دکھاتی ہے۔ وہ اس مفہوم کو عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں تاکہ آیت کا اصل معنی واضح ہو جائے۔ اس کے بعد بعض صوفیانہ اقوال نقل کرتے ہیں کہ "نور" سے مراد وہ باطنی تجلی ہے جو بندے کے دل میں ظاہر ہوتی ہے اور اسے معرفت الہی تک پہنچاتی ہے۔ لیکن امام رازی اس قسم کی تعبیرات کو بغیر قید کے قبول نہیں کرتے بلکہ واضح کرتے ہیں کہ اگر اس طرح کی باطنی تفسیر، اللہ کی تنزیہ، عقیدہ توحید، یا نصوص شریعت کے خلاف جائے تو وہ قابل قبول نہیں۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اللہ کو مادی یا حسی نور سمجھنا (جسم یاروشنی کی طرح) عقلاً اور شرعاً باطل ہے، اس لیے ایسی باطنی تعبیرات رد کر دی جائیں گی جو اللہ کو مخلوق کے مشابہ بنائیں۔ اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ امام رازی باطنی معانی کو سرے سے رد نہیں کرتے لیکن ان کی قبولیت کو شریعت اور عقل کی حدود کے ساتھ مشروط کرتے ہیں۔ جو تعبیر ان اصولوں کے خلاف ہو، اسے وہ واضح طور پر رد کر دیتے ہیں اور اسی اصول کی وجہ سے ان کی تفسیر میں صوفیانہ اشارات بھی موجود ہیں مگر وہ ہمیشہ عقیدہ صحیحہ اور علمی معیار کے تابع رہتے ہیں۔⁷

۲۔ تصوف کے بنیادی تصورات جیسے محبت الہی، معرفت، تزکیہ نفس کو تفسیر میں شامل کرتے ہیں۔ تفسیر کبیر (مفتاح الغیب) میں امام فخر الدین رازی کے ہاں تصوف کے بنیادی تصورات (محبت الہی، معرفت، تزکیہ نفس) کو شامل کرنے کی ایک نمایاں مثال سورۃ البقرہ کی آیت:

⁶ - رازی، محمد بن عمر، مفتاح الغیب، ج 1، ص 190

⁷ - رازی، محمد بن عمر، مفتاح الغیب، ج 31، ص 148

"والذین آمنوا أشد حبا لله" کی تفسیر میں ملتی ہے۔ امام رازی اس آیت کے تحت پہلے اس کا ظاہری مفہوم بیان کرتے ہیں کہ مومنوں کی ایک بنیادی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں، یعنی ان کی اطاعت، عبادت اور ترجیحات سب اللہ کے لیے ہوتی ہیں۔ پھر وہ اس مفہوم کو مزید گہرا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کمال ایمان لا یحصل إلا عند استغراق القلب فی محبة الله"⁸

یعنی کامل ایمان اس وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان کا دل مکمل طور پر اللہ کی محبت میں ڈوب جائے۔

یہاں امام رازی نے: محبت الہی کو ایمان کی معراج قرار دیا، دل کے "اکمل انہک" (کامل انہاک) کی بات کی، جو صوفیانہ اصطلاح ہے اور اس کے ذریعے معرفت اور قرب الہی کی طرف اشارہ کیا۔ اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ امام رازی اپنی تفسیر میں صرف ظاہری احکام پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ آیات کے اندر موجود روحانی اور صوفیانہ معانی کو بھی شامل کرتے ہیں، جس سے ان کی تفسیر میں علمی گہرائی کے ساتھ روحانی تاثیر بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

3۔ اشاری تفسیر کو بطور تکمیل (supplementary explanation) پیش کرتے ہیں، نہ کہ اصل مفہوم تفسیر کبیر (مفتاح الغیب) میں امام فخر الدین رازی کے اس منہج کی واضح مثال سورۃ الفاتحہ کی آیت: "إِيتَاكَ نَعْبُدُ وَإِيتَاكَ نَسْتَعِينُ" کی تفسیر میں ملتی ہے۔ امام رازی پہلے اس آیت کا ظاہری مفہوم بیان کرتے ہیں کہ بندہ صرف اللہ ہی کی عبادت کرتا ہے اور اسی سے مدد طلب کرتا ہے، یعنی یہ آیت توحید عبادت اور توحید استعانت کا اعلان ہے۔ وہ اس کی وضاحت کلامی اور شرعی دلائل سے کرتے ہیں کہ عبادت کا استحقاق صرف اللہ کو ہے اور مدد بھی اسی سے طلب کی جانی چاہیے۔ اس کے بعد وہ بعض اہل تصوف کی طرف سے ایک اشاری معنی نقل کرتے ہیں کہ "إِيتَاكَ نَعْبُدُ" کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنے نفس، خواہشات اور غیر اللہ سے مکمل طور پر منقطع ہو کر صرف اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے، اور "إِيتَاكَ نَسْتَعِينُ" میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس روحانی سفر میں حقیقی مدد بھی اللہ ہی سے حاصل ہوتی ہے۔⁹

اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ امام رازی نے پہلے آیت کا اصل اور بنیادی مفہوم (توحید) بیان کیا، پھر اس کے بعد صوفیانہ اشاری معنی کو بطور تکمیل ذکر کیا اور اسے اصل تفسیر کے قائم مقام نہیں بنایا۔ اسی انداز سے وہ اشاری تفسیر کو ایک روحانی توحید کے طور پر پیش کرتے ہیں، جو معنی میں گہرائی پیدا کرتی ہے مگر اصل مفہوم کی جگہ نہیں لیتی۔

4۔ کشف والہام کو محدود اور غیر مستقل حجت کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ تفسیر کبیر (مفتاح الغیب) میں امام فخر الدین رازی کے اس اصول کی ایک واضح مثال ان مقامات پر ملتی ہے جہاں وہ کشف والہام کے امکان کو تسلیم کرتے ہیں، مگر اسے مستقل شرعی دلیل نہیں مانتے۔ مثلاً سورۃ یوسف کی آیت: "نرفع درجات من نشاء" کی تفسیر میں امام رازی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بعض بندوں کو ایسے علوم و معارف عطا کرتا ہے جو عام حواس اور ظاہری اسباب سے حاصل نہیں ہوتے، اور یہ چیز اولیاء کے لیے بطور کشف والہام ظاہر ہو سکتی ہے۔ پھر وہ لکھتے ہیں:

"قد تنكشف لبعض الأرواح حقائق لا تدرك بالحواس"¹⁰

یعنی بعض ارواح پر ایسے حقائق منکشف ہوتے ہیں جو حواس کے ذریعے معلوم نہیں ہوتے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ وضاحت بھی کرتے ہیں کہ یہ کشف والہام ذاتی تجربہ ہوتا ہے اسے شریعت کے برابر یا اس کے مقابل دلیل نہیں بنایا جاسکتا اور اگر کوئی الہام قرآن و سنت کے خلاف ہو تو وہ مردود ہے اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ امام رازی کشف والہام کے امکان کے قائل ہیں مگر اسے محدود رکھتے ہیں اور اسے غیر مستقل حجت قرار دیتے ہیں اسی اعتدال کی وجہ سے ان کی تفسیر میں روحانیت موجود ہے، مگر وہ ہمیشہ قرآن و سنت اور عقل کے تابع رہتی ہے۔

تفسیر کبیر میں صوفیانہ اصولوں کا اطلاق

تفسیر کبیر جسے مفتاح الغیب بھی کہا جاتا ہے از امام فخر الدین رازی ایک عظیم تفسیر ہے جس میں عقلی، کلامی اور بعض مقامات پر صوفیانہ اصولوں کا نہایت باریک انداز میں امتزاج ملتا ہے۔ اگرچہ امام رازی بنیادی طور پر متکلم اور فقیہ تھے، تاہم انہوں نے قرآن کی تفسیر میں باطنی معانی، نفس کی تطہیر اور معرفت الہی جیسے صوفیانہ موضوعات کو

⁸ - رازی، محمد بن عمر، مفتاح الغیب، ج 2، ص 165

⁹ - رازی، محمد بن عمر، مفتاح الغیب، ج 1، ص 206

¹⁰ - رازی، محمد بن عمر، مفتاح الغیب، ج 18، ص 150

بھی شامل کیا ہے۔ مثال کے طور پر آیات توحید کی تفسیر میں وہ محض ظاہری معنی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ "معرفت" (اللہ کی پہچان) کو ایک روحانی تجربہ قرار دیتے ہیں، جو صوفیہ کے نزدیک سلوک کا اعلیٰ مقام ہے۔ اسی طرح امام رازی "تزکیہ نفس" کو قرآنی تعلیمات کا بنیادی مقصد قرار دیتے ہیں، جو کہ صوفیانہ فکر کا مرکزی اصول ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ انسان کا باطن جب تک خواہشات نفسانی سے پاک نہ ہو، وہ حقیقی ہدایت حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ تصور تزکیہ نفس صوفیہ کے ہاں "سلوک" اور "طریقت" کی بنیاد ہے۔ مزید برآں، امام رازی بعض مقامات پر "نور" کے قرآنی تصور کو صوفیانہ انداز میں بیان کرتے ہیں، جیسا کہ آیت نور (النور: 35) کی تفسیر میں وہ "نور الہی" کو محض مادی روشنی نہیں بلکہ ایک باطنی حقیقت اور ہدایت قلبی سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ تعبیر نور الہی صوفیاء کے نظریہ "اشراق" سے قریب ہے۔ آخر میں، امام رازی کا اسلوب یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ شریعت اور طریقت کے درمیان توازن قائم رکھتے ہیں۔ وہ نہ تو مکمل طور پر صوفیانہ تاویلات پر انحصار کرتے ہیں اور نہ ہی انہیں رد کرتے ہیں، بلکہ جہاں مناسب ہو وہاں روحانی معانی کو عقلی استدلال کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ اس طرح تفسیر کبیر میں صوفیانہ اصول ایک معتدل اور علمی انداز میں شامل ہیں، جو اسے دیگر تفاسیر سے ممتاز بناتے ہیں۔

چند صوفیانہ اطلاقات درج ذیل ہیں

تزکیہ نفس، معرفت الہی، احوال قلبیہ

1- تزکیہ نفس

تزکیہ نفس سے مراد انسان کے باطن (نفس) کو برائیوں، خواہشات نفسانی، حسد، تکبر اور اخلاقی خرابیوں سے پاک کر کے اسے نیکی، تقویٰ اور قرب الہی کے قابل بنانا ہے۔ قرآن مجید میں اس تصور کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے "قَدْ أَفْلَحَ مَنْ ذَكَهَا" یعنی "کامیاب وہ ہے جس نے اپنے نفس کو پاک کیا"۔ مفسرین کے مطابق اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حقیقی کامیابی ظاہری دولت یا طاقت نہیں بلکہ اندرونی پاکیزگی ہے۔ امام غزالی اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں تزکیہ نفس کو قلبی بیماریوں کے علاج سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ مثال دیتے ہیں کہ جس طرح جسمانی بیماری کے لیے علاج ضروری ہے، اسی طرح حسد ایک روحانی بیماری ہے جس کا علاج قناعت اور اللہ کی تقسیم پر راضی رہنا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی شخص کو دوسروں کی ترقی دیکھ کر جلن محسوس ہو تو یہ "حسد" ہے، اور اس کا تزکیہ یہ ہے کہ وہ دعا کرے کہ اللہ دوسرے کو مزید نعت دے اور خود کے لیے بھی خیر مانگے۔ اسی طرح امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ نفس کی پاکیزگی علم و عمل دونوں سے حاصل ہوتی ہے، یعنی صرف اچھے خیالات کافی نہیں بلکہ عملی اصلاح بھی ضروری ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص عبادت تو کرے مگر جھوٹ بولتا رہے تو اس کا نفس مکمل طور پر پاک نہیں ہوتا۔ حضرت جنید بغدادی اور دیگر صوفیاء کے نزدیک تزکیہ نفس کا عملی طریقہ "مرآۃ" اور "محاسبہ" ہے، یعنی انسان روزانہ اپنے اعمال کا جائزہ لے کہ اس نے کہاں غلطی کی اور کہاں نیکی کی۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص غصے میں کسی کو برا کہہ دے، تو بعد میں ندامت، توبہ اور آئندہ کنٹرول کا عہد کرنا تزکیہ کا حصہ ہے۔ تزکیہ نفس ایک مسلسل روحانی عمل ہے جو علم، عبادت، اخلاق اور خود احتسابی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ اس کا مقصد انسان کو ظاہری طور پر نہیں بلکہ باطنی طور پر اللہ کے قریب کرنا ہے، جیسا کہ قرآن نے کامیابی کی اصل شرط اسی کو قرار دیا ہے۔

سورۃ البقرہ سے تزکیہ نفس کی مثالیں

امام رازی سورۃ البقرہ میں تزکیہ نفس (نفس کی پاکیزگی اور اصلاح) کے کئی واضح اصول اور عملی مثالیں واضح کرتے ہیں، چند مثالیں منتخب سورتوں کی درج ذیل ہیں تزکیہ نفس سے مراد انسان کے باطن (نفس) کو برائیوں، خواہشات نفسانی، حسد، تکبر اور اخلاقی خرابیوں سے پاک کر کے اسے نیکی، تقویٰ اور قرب الہی کے قابل بنانا ہے۔

مثال نمبر 1: سورۃ البقرہ میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

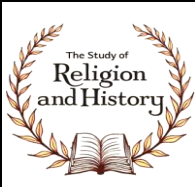
"ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ" ¹¹

یہ آیت بتاتی ہے کہ ہدایت صرف ان لوگوں کو ملتی ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ تقویٰ دراصل تزکیہ نفس کی بنیاد ہے۔ ¹²

مثال نمبر 2: سورۃ البقرہ میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

¹¹ البقرہ 2:2

¹² - رازی، مفاتیح الغیب، ج 2، ص 27



"وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ"¹³

نماز اور صبر انسان کے نفس کو قابو میں رکھتے ہیں اور روحانی پاکیزگی پیدا کرتے ہیں۔¹⁴

مثال نمبر 3: سورۃ البقرہ میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

"وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الزِّنَا"¹⁵

سود سے بچنا انسان کے مال اور دل دونوں کی پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ سورۃ البقرہ میں بہت سی مثالیں ہیں بس چند مثالوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔¹⁶

سورت آل عمران سے تزکیہ نفس کی مثالیں

سورۃ آل عمران میں بھی تزکیہ نفس (نفس کی اصلاح اور پاکیزگی) کے بہت سے اصول بیان ہوئے ہیں۔ تزکیہ نفس ایک مسلسل روحانی عمل ہے جو علم، عبادت، اخلاق اور خود احتسابی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ اس کا مقصد انسان کو ظاہری طور پر نہیں بلکہ باطنی طور پر اللہ کے قریب کرنا ہے، جیسا کہ قرآن نے کامیابی کی اصل شرط اسی کو قرار دیا ہے۔

مثال نمبر 1: سورۃ آل عمران میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ"¹⁷

یہ آیت انسان کو کامل تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کرتی ہے، جو تزکیہ نفس کی بنیاد ہے۔¹⁸

مثال نمبر 2: سورۃ آل عمران میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

"وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا"¹⁹

دین پر مضبوطی سے قائم رہنا نفس کو گمراہی اور انتشار سے پاک کرتا ہے۔²⁰

مثال نمبر 3: سورۃ آل عمران میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا"²¹

صبر اور استقامت نفس کی تربیت کا اہم ذریعہ ہیں۔²²

سورۃ النساء سے تزکیہ نفس کی مثالیں

سورۃ النساء میں تزکیہ نفس (نفس کی اصلاح اور پاکیزگی) کے کئی عملی اور اخلاقی اصول بیان کیے گئے ہیں۔ یہ سورۃ خاص طور پر معاشرتی انصاف، حقوق العباد اور باطنی اصلاح پر زور دیتی ہے۔ صوفیاء کے نزدیک تزکیہ نفس کا عملی طریقہ "مراقبہ" اور "محاسبہ" ہے، یعنی انسان روزانہ اپنے اعمال کا جائزہ لے کہ اس نے کہاں غلطی کی اور کہاں نیکی کی۔

مثال نمبر 1: سورۃ النساء کے آغاز میں ہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

¹³. البقرہ 2:45

¹⁴. رازی، مفاتیح الغیب، ج 3، ص 483

¹⁵. البقرہ 2:275

¹⁶. رازی، مفاتیح الغیب، ج 7، ص 78

¹⁷. آل عمران 3:102

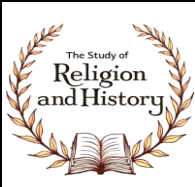
¹⁸. رازی، مفاتیح الغیب، ج 8، ص 171

¹⁹. آل عمران 3:103

²⁰. رازی، مفاتیح الغیب، ج 8، ص 181

²¹. آل عمران 3:200

²². رازی، مفاتیح الغیب، ج 9، ص 170



" يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ " ²³

یہ آیت انسان کو ہر حال میں اللہ سے ڈرنے کی تلقین کرتی ہے، جو ترکیہ نفس کی بنیاد ہے۔ ²⁴

مثال نمبر 2: سورۃ النساء کے آغاز میں ہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"وَاتَّقُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ أَهْلَهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا الْخَيْبَ بِالطَّلِبِ وَلَا تَكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ خُوبًا كَبِيرًا" ²⁵

یتیموں کا حق دینا انسان کے اندر سے ظلم، لالچ اور خود غرضی کو ختم کرتا ہے۔ ²⁶

مثال نمبر 3: سورۃ النساء کے آغاز میں ہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"وَلَا تَتَّبِعُوا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ" ²⁷

دوسروں کی نعمتوں پر حسد نہ کرنا دل کی صفائی اور ترکیہ کا اہم حصہ ہے۔ ²⁸

2- معرفت الہی

معرفت الہی (اللہ تعالیٰ کی پہچان اور شعور) اسلام کی روح ہے، جس کے ذریعے انسان اپنے رب کو اس کی صفات، قدرت، رحمت اور حکمت کے ساتھ پہچانتا ہے۔ قرآن

مجید میں بار بار انسان کو کائنات، اپنی ذات اور تاریخ پر غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے تاکہ وہ اللہ کی معرفت حاصل کرے۔ مثلاً سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے۔

"الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَمًا وَ قُعُودًا وَ عَلَى جُنُوبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَ الْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا - سُبْحَنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ" ²⁹

یعنی جو لوگ ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور کائنات میں غور کرتے ہیں، وہی حقیقی معرفت حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح سورۃ البقرہ میں فرمایا گیا جو اس بات کی طرف

اشارہ ہے کہ ذکر الہی معرفت کا بنیادی ذریعہ ہے۔ معرفت الہی کا ایک اہم پہلو اللہ کی صفات کو سمجھنا اور ان پر ایمان لانا ہے، جیسے اس کی رحمت، علم اور قدرت۔ سورۃ

سورۃ الحشر میں اللہ کے اسماء و صفات بیان کیے گئے ہیں جو انسان کو اللہ کی عظمت کا شعور دیتے ہیں۔ اسی طرح سورۃ سورۃ طہ میں فرمایا یعنی اللہ کی معرفت انسان کو اس کی

عبادت کی طرف لے جاتی ہے۔ معرفت الہی صرف علمی معلومات کا نام نہیں بلکہ دل کی کیفیت اور عملی زندگی سے بھی تعلق رکھتی ہے۔ جب انسان اللہ کو پہچان لیتا ہے تو

اس کے اندر خشیت، اور اطاعت پیدا ہوتی ہے۔ آخر کار، معرفت الہی انسان کو دنیا کی حقیقت سمجھنے اور آخرت کی تیاری کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ سورۃ سورۃ الحدید میں

فرمایا گیا۔ جو اللہ کی قدرت اور آخرت پر ایمان کو مضبوط کرتی ہے۔ اس طرح قرآن کی تعلیمات کے مطابق معرفت الہی ایک جامع عمل ہے جس میں غور و فکر، ذکر،

عبادت اور اخلاقی اصلاح سب شامل ہیں، اور یہی انسان کو اللہ کے قریب لے جا کر اس کی زندگی کو با مقصد بناتی ہے۔ ³⁰

سورۃ البقرہ سے معرفت الہی کی مثالیں

سورۃ البقرہ میں معرفت الہی (اللہ کی پہچان) کے کئی واضح اور گہرے پہلو بیان کیے گئے ہیں۔ یہ سورت انسان کو اللہ کی ذات، صفات، قدرت اور ہدایت کو سمجھنے کی دعوت

دیتی ہے۔ معرفت الہی (اللہ تعالیٰ کی پہچان اور شعور) اسلام کی روح ہے، جس کے ذریعے انسان اپنے رب کو اس کی صفات، قدرت، رحمت اور حکمت کے ساتھ پہچانتا

ہے۔ قرآن مجید میں بار بار انسان کو کائنات، اپنی ذات اور تاریخ پر غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے تاکہ وہ اللہ کی معرفت حاصل کرے۔

مثال نمبر 1: سورۃ البقرہ کے آغاز میں ہی اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کو ہدایت کا ذریعہ قرار دیتے ہیں:

²³ - النساء: 4

²⁴ - رازی، مفتاح الغیب، ج 10، ص 3

²⁵ - النساء: 4

²⁶ - رازی، مفتاح الغیب، ج 10، ص 13

²⁷ - النساء: 4

²⁸ - رازی، مفتاح الغیب، ج 10، ص 87

²⁹ - سورۃ آل عمران، 3: 191

³⁰ - رازی، مفتاح الغیب، ج 29، ص 210



”ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ“³¹

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ معرفتِ الہی ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، کیونکہ تقویٰ دل کو صاف کرتا ہے اور انسان کو اللہ کی پہچان کے قابل بناتا ہے۔

”لَئِنْ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاٰخِلَافِ الْاٰنِلِ وَالنَّهَارِ“³²

اس آیت میں کائنات کی تخلیق، دن رات کے نظام اور دیگر نشانیوں کا ذکر ہے، جو انسان کو غور و فکر کے ذریعے اللہ کی قدرت اور حکمت کی معرفت عطا کرتی ہیں۔

مثال نمبر 3: سورۃ البقرہ میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

”وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ“³³

یہ آیت بتاتی ہے کہ اللہ بندے کے بہت قریب ہے اور اس کی دعائیں سنتا ہے، جو انسان کے دل میں اللہ کی محبت اور تعلق کو مضبوط کرتی ہے۔

سورت آل عمران سے معرفتِ الہی کی مثالیں

سورۃ آل عمران میں معرفتِ الہی (اللہ کی پہچان) کو مختلف پہلوؤں سے واضح کیا گیا ہے۔ یہ سورت انسان کو اللہ کی ذات، صفات، قدرت، حکمت اور اس کے ساتھ تعلق کو سمجھنے کی دعوت دیتی ہے۔ معرفتِ الہی صرف علمی معلومات کا نام نہیں بلکہ دل کی کیفیت اور عملی زندگی سے بھی تعلق رکھتی ہے۔ جب انسان اللہ کو پہچان لیتا ہے تو اس کے اندر خشیت، محبت اور اطاعت پیدا ہوتی ہے۔

مثال نمبر 1: سورۃ آل عمران کے آغاز میں ہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ“³⁴

یہ آیت اللہ کی وحدانیت اور اس کی ہمیشہ زندہ اور قائم رکھنے والی ذات کو بیان کرتی ہے، جو معرفتِ الہی کی بنیاد ہے۔ انسان جب اس حقیقت کو سمجھتا ہے تو وہ صرف اسی کی عبادت کرتا ہے۔

مثال نمبر 2: سورۃ آل عمران کے آغاز میں ہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ“³⁵

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے، جو انسان کو اس کی نگرانی اور جوابدہی کا احساس دلاتا ہے۔

مثال نمبر 3: سورۃ آل عمران کے آغاز میں ہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ“³⁶

یہ آیت اللہ کی تخلیق قدرت کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ انسان کو ماں کے پیٹ میں جیسے چاہتا ہے بناتا ہے، جو اس کی عظمت کی پہچان کا ذریعہ ہے۔

سورۃ النساء سے معرفتِ الہی کی مثالیں

سورۃ النساء میں معرفتِ الہی (اللہ کی پہچان) کو مختلف عملی اور عقیدتی پہلوؤں سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ سورت خاص طور پر انسان کو اللہ کی صفات، اس کے علم، قدرت اور اس کے احکام کے ذریعے اس کی معرفت عطا کرتی ہے۔ قرآن کی تعلیمات کے مطابق معرفتِ الہی ایک جامع عمل ہے جس میں غور و فکر، ذکر، عبادت اور اخلاقی اصلاح سب شامل ہیں، اور یہی انسان کو اللہ کے قریب لے جا کر اس کی زندگی کو با مقصد بناتی ہے۔

مثال نمبر 1: سورۃ النساء کے آغاز میں ہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

³¹ . البقرہ 2:

³² . البقرہ 164:

³³ . البقرہ 186:

³⁴ . آل عمران 3:

³⁵ . آل عمران 5:

³⁶ - سورۃ آل عمران، 6:

”وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا“³⁷ یہ آیت واضح کرتی ہے کہ اللہ ہی واحد معبود ہے، اور اس کی عبادت ہی معرفتِ الہی کی بنیاد ہے۔ جب انسان اللہ کو پہچانتا ہے تو وہ شرک سے بچ کر خالص اسی کی عبادت کرتا ہے۔

مثال نمبر 2: سورۃ النساء میں ہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ“³⁸

یہ آیت اللہ کے کامل انصاف کو بیان کرتی ہے، جو معرفتِ الہی کا اہم پہلو ہے اور انسان کو عدل اختیار کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔

مثال نمبر 3: سورۃ النساء میں ہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا“³⁹

یہ آیت اللہ کی رحمت اور بخشش کو ظاہر کرتی ہے، جو بندے کو توبہ اور رجوع کی طرف راغب کرتی ہے۔

3۔ احوالِ قلبیہ

احوالِ قلبیہ سے مراد انسان کے دل کی وہ باطنی کیفیات اور روحانی حالتیں ہیں جو اس کے ایمان، سوچ اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کو ظاہر کرتی ہیں۔ یہ کیفیات ظاہری اعمال سے زیادہ اندرونی دنیا سے تعلق رکھتی ہیں، جیسے خوفِ خدا، محبتِ الہی، توکل اور صبر۔ اسلام میں دل کو مرکزی حیثیت حاصل ہے کیونکہ نیت اور اخلاص کا تعلق دل ہی سے ہوتا ہے، اور یہی انسان کے اعمال کی قبولیت کی بنیاد بنتا ہے۔ احوالِ قلبیہ دراصل اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ انسان کا اپنے رب کے ساتھ تعلق کس درجے کا ہے۔ جب دل میں اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے تو انسان خود بخود نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے، اور جب خشیہ پیدا ہوتی ہے تو وہ گناہوں سے بچنے لگتا ہے۔ اسی طرح توکل انسان کو مشکلات میں ثابت قدم رکھتا ہے، جبکہ شکر اسے نعمتوں پر اللہ کا قریب کر دیتا ہے۔ یہ تمام کیفیات دل کو پاک کرتی ہیں اور اسے روحانی ترقی کی طرف لے جاتی ہیں۔ یہ احوال مستقل نہیں رہتے بلکہ بدلتے رہتے ہیں، اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ عبادات، ذکرِ الہی، تلاوتِ قرآن اور نیک اعمال کے ذریعے اپنے دل کو زندہ اور پاک رکھے۔ جب دل غفلت میں پڑ جاتا ہے تو یہ کیفیات کمزور ہو جاتی ہیں، اور جب انسان اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو دل دوبارہ نورِ ایمان سے بھر جاتا ہے۔ اس طرح احوالِ قلبیہ انسان کی روحانی زندگی کا آئینہ ہوتے ہیں اور اس کے ایمان کی مضبوطی یا کمزوری کو ظاہر کرتے ہیں۔

سورۃ البقرہ سے احوالِ قلبیہ کی مثالیں

سورۃ البقرہ میں احوالِ قلبیہ (دل کی باطنی کیفیات) کو مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ سورت ایمان، نفاق، خشوع، خوف، محبت اور اطمینانِ قلب جیسی کیفیات کو واضح کرتی ہے۔ احوالِ قلبیہ سے مراد انسان کے دل کی وہ باطنی کیفیات اور روحانی حالتیں ہیں جو اس کے ایمان، سوچ اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کو ظاہر کرتی ہیں۔ یہ کیفیات ظاہری اعمال سے زیادہ اندرونی دنیا سے تعلق رکھتی ہیں، جیسے خوفِ خدا، محبتِ الہی، توکل، صبر، شکر اور خشوع۔ اسلام میں دل کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

مثال نمبر 1: سورۃ البقرہ میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

”فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا“⁴⁰

یہ آیت نفاق، شک اور حسد جیسی بیماریوں کو بیان کرتی ہے، جو دل کو روحانی طور پر بیمار کر دیتی ہیں۔

مثال نمبر 2: سورۃ البقرہ میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

”ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ“⁴¹

37۔ النساء: 36

38۔ النساء: 40

39۔ النساء: 96

40۔ البقرہ: 102

41۔ البقرہ: 74

یہاں دل کی سختی کو بیان کیا گیا ہے، جو غفلت اور نافرمانی کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔

مثال نمبر 3: سورۃ البقرہ میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

"وَلْيَتْلُوَكُمْ بَشِيرٌ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالْعَمَلِ ۚ وَبَشِيرٌ الضَّرِيرِ" ⁴²

یہ آیت بتاتی ہے کہ آزمائش کے وقت صبر اور اللہ پر یقین دل کی مضبوطی کو ظاہر کرتا ہے۔

سورۃ آل عمران سے احوال قلبیہ کی مثالیں

سورۃ آل عمران میں احوال قلبیہ (دل کی باطنی کیفیات) کو مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے، جیسے ایمان، یقین، خشوع، محبت الہی، صبر، خوف، نفاق اور اطمینان قلب وغیرہ احوال قلبیہ دراصل اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ انسان کا اپنے رب کے ساتھ تعلق کس درجے کا ہے۔ جب دل میں اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے تو انسان خود بخود نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے، اور جب خشیت (اللہ کا خوف) پیدا ہوتی ہے تو وہ گناہوں سے بچنے لگتا ہے۔ اسی طرح توکل انسان کو مشکلات میں ثابت قدم رکھتا ہے، جبکہ شکر اسے نعمتوں پر اللہ کا قریب کر دیتا ہے۔

مثال نمبر 1: سورۃ آل عمران کے آغاز میں ہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"فِي قُلُوبِهِمْ نَبْغٌ فَتَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ" ⁴³

یہ آیت ان لوگوں کے دلوں کی کیفیت بیان کرتی ہے جن میں کجی اور شک ہوتا ہے، جو نفاق کی علامت ہے۔

مثال نمبر 2: سورۃ آل عمران کے آغاز میں ہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ" ⁴⁴

یہ آیت ان دلوں کو بیان کرتی ہے جو ہر حالت میں اللہ کو یاد کرتے ہیں، جس سے خشوع اور سکون پیدا ہوتا ہے۔

مثال نمبر 3: سورۃ آل عمران کے آخر میں ہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"وَبِنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ" ⁴⁵

یہ عدال کی عاجزی، معرفت اور اللہ کی بڑائی کے اعتراف کو ظاہر کرتی ہے۔

سورۃ النساء سے احوال قلبیہ کی مثالیں

سورۃ النساء میں احوال قلبیہ (دل کی باطنی کیفیات) کو بہت واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے، خاص طور پر ایمان، نفاق، خوف، اخلاص، شک، توکل اور دل کی بیماریوں کے۔ یہ تمام کیفیات دل کو پاک کرتی ہیں اور اسے روحانی ترقی کی طرف لے جاتی ہیں۔ یہ احوال مستقل نہیں رہتے بلکہ بدلتے رہتے ہیں، اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ عبادات، ذکر الہی، تلاوت قرآن اور نیک اعمال کے ذریعے اپنے دل کو زندہ اور پاک رکھے۔ جب دل غفلت میں پڑ جاتا ہے تو یہ کیفیات کمزور ہو جاتی ہیں، اور جب انسان اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو دل دوبارہ نور ایمان سے بھر جاتا ہے۔ اس طرح احوال قلبیہ انسان کی روحانی زندگی کا آئینہ ہوتے ہیں۔

مثال نمبر 1: سورۃ النساء میں ہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"لَا الْفَنَيفَيْنِ يَرَاؤُنَ النَّاسَ" ⁴⁶

یہ آیت دل کی اس کیفیت کو ظاہر کرتی ہے جس میں انسان اللہ کے بجائے لوگوں کو دکھانے کے لیے عبادت کرتا ہے۔

مثال نمبر 2: سورۃ النساء میں ہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

⁴² البقرہ: 155

⁴³ آل عمران: 7

⁴⁴ آل عمران: 191

⁴⁵ آل عمران: 191

⁴⁶ النساء: 142

"قَالُوا رَبَّنَا لِمَ كُنْتُ عَلَيْنَا الْقِتَالِ" 47

یہ آیت ان لوگوں کے دل کی کیفیت بیان کرتی ہے جو خوف اور کمزوری کی وجہ سے اللہ کے حکم سے گھبراجاتے ہیں۔

مثال نمبر 3: سورۃ النساء میں ہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ 48

یہ آیت اس قلبی کیفیت کو ظاہر کرتی ہے جو انسان کو انصاف، سچائی اور غیر جانبداری کی طرف لے جاتی

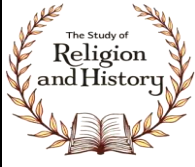
خلاصہ کلام

اس مقالے میں امام فخر الدین رازیؒ کی تفسیر کبیر میں اشاری اور باطنی تفسیر کے منہج کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ تحقیق سے واضح ہوا کہ امام رازیؒ بنیادی طور پر ظاہری تفسیر، عقلی استدلال اور شرعی اصولوں کو بنیاد بناتے ہیں، تاہم مناسب مواقع پر صوفیانہ اشارات، معرفت الہی، تزکیہ نفس، محبت الہی اور احوال قلبیہ جیسے روحانی مباحث کو بھی شامل کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اشاری تفسیر اصل تفسیر کا بدل نہیں بلکہ اس کی تکمیل ہے، جبکہ باطنی تعبیرات اسی وقت قابل قبول ہیں جب وہ قرآن، سنت اور صحیح عقیدہ کے موافق ہوں۔ یہی اعتدال، علمی گہرائی اور روحانی توازن تفسیر کبیر کو دیگر تفاسیر میں ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔

تفسیر کبیر (مفتاح الغیب) میں امام فخر الدین رازیؒ نے اگرچہ زیادہ توجہ عقلی، کلامی، فلسفیانہ اور فقہی مباحث پر دی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کی آیات کی تشریح میں صوفیانہ اصولوں کو بھی بڑی حکمت اور اعتدال کے ساتھ شامل کیا ہے۔ ان کے نزدیک قرآن کا مقصد صرف ظاہری احکام کی تعلیم نہیں بلکہ انسان کی روحانی تربیت، دل کی پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا حصول بھی ہے۔ اسی لیے انہوں نے مختلف مقامات پر تزکیہ نفس، اخلاص، تقویٰ، توکل، صبر، شکر، محبت الہی، خوف ورجاء اور معرفت الہی جیسے صوفیانہ اصولوں کو آیات کے مفاہیم سے واضح کیا ہے۔ امام رازیؒ کے نزدیک انسان کی حقیقی کامیابی اس وقت ممکن ہے جب وہ اپنے ظاہری اعمال کے ساتھ اپنے باطن کی اصلاح بھی کرے۔ تفسیر کبیر میں تزکیہ نفس کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ امام رازیؒ قرآن کی ان آیات کی وضاحت کرتے ہوئے جن میں نفس کی پاکیزگی، ہدایت اور تقویٰ کا ذکر ہے، بیان کرتے ہیں کہ انسان کو اپنے اندر موجود تکبر، حسد، حرص، غفلت اور دیگر روحانی بیماریوں سے نجات حاصل کرنی چاہیے۔ ان کے نزدیک عبادات کا اصل مقصد صرف ظاہری عمل نہیں بلکہ دل کی اصلاح اور انسان کے اخلاق کو بہتر بنانا ہے۔ اسی طرح وہ اخلاص کو ایمان اور عبادت کی بنیاد قرار دیتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عمل کی قبولیت کا دار و مدار نیت کی پاکیزگی پر ہے۔ امام رازیؒ نے توکل، صبر اور شکر جیسے صوفیانہ اصولوں کو بھی قرآن کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک توکل کا مطلب یہ نہیں کہ انسان کو شش چھوڑ دے، بلکہ اپنی پوری جدوجہد کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے۔ صبر کو وہ مشکلات، آزمائشوں اور دینی ذمہ داریوں کو ثابت قدمی سے برداشت کرنے کی روحانی طاقت قرار دیتے ہیں، جبکہ شکر کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف اور ان کا درست استعمال سمجھتے ہیں۔ اس طرح وہ صوفیانہ تعلیمات کو عملی زندگی سے جوڑتے ہیں اور انسان کو متوازن شخصیت بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تفسیر کبیر میں محبت الہی اور معرفت خداوندی کا تصور بھی نمایاں ہے۔ امام رازیؒ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا انسان کی سب سے بڑی روحانی منزل ہے، اور قرآن کی آیات انسان کو غور و فکر، عبادت اور اخلاقی پاکیزگی کے ذریعے اس منزل تک پہنچاتی ہیں۔ وہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں، اسماء و صفات اور قدرت کے مظاہر پر غور کرنے کو معرفت کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ تاہم ہم ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ صوفیانہ افکار قرآن و سنت کے اصولوں کے مطابق رہیں۔ مجموعی طور پر تفسیر کبیر میں صوفیانہ اصولوں کا اطلاق ایک معتدل اور علمی انداز میں کیا گیا ہے۔ امام فخر الدین رازیؒ نے تصوف کو شریعت سے الگ کوئی راستہ نہیں سمجھا بلکہ اسے قرآن کے اخلاقی اور روحانی پہلوؤں کی وضاحت کا ذریعہ قرار دیا۔ ان کی تفسیر میں عقل، نقل اور روحانیت کا حسین امتزاج ملتا ہے، جس کے ذریعے وہ انسان کو ظاہری اعمال کے ساتھ باطنی پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ کے قرب کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

منابع مقالہ

* امام فخر الدین رازیؒ کی تفسیر کا بنیادی منہج ظاہری تفسیر، عقل اور نقل پر مبنی ہے۔



THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.4, No.1, 2026

ISSN P: [3006-3329](#)
ISSN E: [3006-3337](#)

- * امام رازیؒ اشاری تفسیر کو قبول کرتے ہیں، لیکن اسے اصل تفسیر کے بجائے تکمیلی حیثیت دیتے ہیں۔
- * باطنی تعبیرات کی قبولیت قرآن، سنت اور عقل سلیم کی موافقت سے مشروط ہے۔
- * تفسیر کبیر میں معرفت الہی، تزکیہ نفس، محبت الہی اور احوالِ قلبیہ جیسے صوفیانہ مباحث نمایاں طور پر موجود ہیں۔
- * امام رازیؒ کا صوفیانہ منہج اعتدال پر مبنی ہے اور غلو یا بے بنیاد باطنی تاویلات سے اجتناب کرتا ہے۔
- * تفسیر کبیر میں عقل، کلام، فلسفہ اور تصوف کے درمیان ایک متوازن علمی امتزاج پایا جاتا ہے۔
- * امام رازیؒ کے نزدیک روحانی معانی ہمیشہ شریعت کے تابع ہیں اور ان سے ظاہری احکام کی نفی مقصود نہیں۔
- * تفسیر کبیر اشاری و باطنی تفسیر کے ایک معتدل اور علمی نمونے کے طور پر اسلامی تفسیری روایت میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔